تاریخ فلسفہ کے اعلام و مشاہیر

۱۔ اقبال اور سید جمال الدین افغانی
۲۔ اقبال اور امام غزالی
۳۔ اقبال اور سعید حلیم پاشا
۴۔ اقبال اور ٹیپو سلطان
۵۔ اقبال اور نادر شاہ افغان

سید جمال الدین افغانی کا تعلق افغانستان کے نہایت اہم ممتاز خاندان سادات سے تھا۔ ان کا نسب مشہور محدث حضرت علی الترمذی کے واسطے سے حضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے جاملتا ہے۔ اس لئے انہیں سید کہتے ہیں۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق وہ حنفی گھرانے میں ۱۲۵۴ھ / مطابق ۱۸۳۸ء ــــ ۱۸۳۹ء میں ضلع کابل (افغانستان) میں مشرق کی جانب کنر KONAR نزدیک اسعد آبادی میں پیدا ہوئے۔ شیعہ مصنف ان کی جائے پیدائش ایران میں ہمدان کے نزدیک اسد آباد میں بتاتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ جمال الدین افغانی نے اپنے آپ کو افغانی قومیت سے اس لئے منسوب کیا کہ وہ ایران کے مطلق العنان حکومت سے بچ نکلیں لیکن انہوں نے اپنے بچپن اور شباب کے ایام یقیناً افغانستان میں بسر کئے۔ کابل میں انہوں نے مروجہ تعلیم حاصل کی اس کے علاوہ انہوں نے فلسفے اور علوم طبعی کی طرف بھی توجہ دی۔ (۱)

جمال الدین افغانی کی عظمت کے پیش نظر ایرانیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ جمال الدین کا وطن ایران ہے اور افغانستان والے انہیں افغانی کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کے وطن کے بارے میں اختلاف رائے ضرور پایا جاتا ہے لیکن یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جمال الدین کا وطن اسعد آباد افغانستان ہی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ خود جمال الدین افغانی کہتے ہیں :

"من از سادات معروف کنر در سال ۱۲۵۴ھ در افغانستان تولد شدم۔" (۲)

جمال الدین افغانی کے وطن کے بارے میں عبدالحلیم اثر افغانی لکھتے ہیں :

"سید موصوف "اسد آبادی" نہیں تھے بلکہ اسعد آبادی تھے۔ اسد آباد (ایران) میں ہے اور اسعد آباد افغانستان کے مشرقی علاقہ کنڑ میں صوبہ ننگرہار کے دارالحکومت جلال آباد

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ہفتم دانشگاہ پنجاب لاہور ــــ ص ۳۷۳

۲ محمد نعیم صاحب ندوی صدیقی سید جمال الدین افغانی (واقعات کی روشنی میں) اسلام اور عصر جدید (سہ ماہی) جلد ۴ جولائی ۱۹۷۲ء ــــ شمارہ ۳ ص ۷۹

سے شمال مشرق کی طرف دریائے کنڑ کے کنارے واقع ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس خیال کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس اسعد آباد کا علم نہیں جو افغانستان میں ہے اور دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس جمال الدین ایرانی کا بھی علم نہیں جو سید جمال الدین کا معاصر تھا اور جس کے نام سید جمال الدین افغانی کا ایک مکتوب بھی موجود ہے ۔"(۱)

سید جمال الدین کے بارے میں شاہد حسین رزاقی لکھتے ہیں :

"افغانستان کا علاقہ کنڑ میں مواضعات کے مجموعے کو پست کہا جاتا ہے اور دریائے کنڑ کے کنارے واقع سادات کی بستیاں پشت سادات کہی جانے لگیں ۔ اس علاقہ میں ایک اہم بستی اسعد آباد ہے جہاں ماہ شعبان ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں سید جمال الدین افغانی پیدا ہوئے ۔"(۲)

جمال الدین کے والد کا نام سید صفدر اور والدہ کا نام سیدہ سکینہ تھا ۔ جمال الدین کی ابتدائی تعلیم و تربیت اسعد آباد میں ہوئی ۔ انہوں نے ساری عمر میں اپنی ذہانت ، محنت ، لگن اور قابلیت سے تمام علوم کا بخوبی مطالعہ کیا اور کمال حاصل کرلیا ۔ جب سید صاحب کے والد کابل میں رہنے کے لئے مجبور کئے گئے تو اس وقت ان کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی ۔ اس لئے ان کی ابتدائی تعلیم وہیں انجام پائی ۔ اٹھارہ سال کی عمر تک اپنے والد کے ساتھ کابل میں مقیم رہے جہاں اپنے والد اور دوسرے علمائے روزگار کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی سعادت حاصل کی اور اپنی بے مثال ذہانت اور طباعی کے سبب آغاز شباب میں ہی تمام رائج الوقت علوم و فنون ، نحو بلاغت ، تاریخ ، فلسفہ ، تصوف ، ریاضی ، طب اور کلام وغیرہ میں عبور کامل حاصل کرلیا ۔ تاریخ میں انہیں خصوصی مہارت حاصل تھی ۔ ۱۸۵۶ء میں سید صفدر کا انتقال ہو گیا اس وقت سید جمال الدین کی عمر انیس سال کی تھی ۔ علوم مروجہ کی تکمیل کے بعد انہوں نے اس میدان کی طرف قدم بڑھائے جس کے لئے قدرت انہیں منتخب کر چکی تھی ۔ عالم اسلام ایک مدت دراز سے ایسی ہی انقلابی شخصیت کا منتظر تھا ۔ زمین کا کوئی خطہ بھی اس کے فیض سے محروم نہ رہ سکا ۔

---

۱ عبدالحلیم اثر افغانی ۔ جمال الدین افغانی کا وطن ، المعارف مئی ۱۹۷۱ء ص ۳۹

۲ شاہد حسین رزاقی ، افغانستان کے پہلے مرد مجاہد سید جمال الدین افغانی ، حیات و افکار ، ص ۵

اوراس کی گن گرج سے مشرق کی سوئی ہوئی دنیا کروٹیں لینے لگی۔(۱)

اٹھارہ انیس سال کی عمر میں افغانی ہندوستان آئے اور یہاں ڈیڑھ برس کے قیام کے دوران علم جدید سے فیض یاب ہوئے۔ پھر وہ حج کے لئے چلے گئے۔۱۸۵۷ء واپسی پر وہ افغانستان پہنچے اور امیر دوست محمد خان کی ملازمت اختیار کی۔۱۸۷۱ء میں قاہرہ (مصر) روانہ ہوئے اگرچہ وہاں مستقل قیام کرنے کا ارادہ نہ تھا مگر ان کا تعلیم یافتہ طبقے کی طرف سے بالخصوص اس قدر عقدت و محبت سے خیر مقدم کرلیا گیا کہ انہوں نے وہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا۔(۲) یہاں انہوں نے نوجوانوں کو صحافی اور ادیب بننے کی تعلیم دی تا کہ وہ قلمی جہاد کر سکیں۔ مصر کا قدامت پسند طبقہ اور حکومت برطانیہ خاصکر جمال الدین افغانی کی مقبولیت اور سرگرمیوں سے خوف زدہ تھی۔یہی وجہ ہے کہ برطانیہ کے اثر و رسوخ سے ۱۸۷۹ء میں جمال الدین کو ملک بدر کر دیا گیا پھر وہ ہندوستان چلے آئے۔ ستمبر ۱۹۸۲ء کو بلنٹ نے ان سے پیرس میں ملاقات کی وہ بلاد اسلامیہ میں انگریزوں کی حکمت عملی کے خلاف تحریک چلارہا تھا۔ پیرس کے قیام میں ان کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے محمد عبدہٗ سے ملکر عربی میں ہفتہ وار اخبار "عروۃ الوثقیٰ" نکالا یہ رسالہ اسی نام کی ایک خفیہ جماعت کا نمائندہ تھا جو اس کے معارف برداشت کرتی تھی۔ اس کا پہلا شمارہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ / ۱۳ صبح ۱۴ مارچ ۱۸۸۴ کو نکلا اور اٹھارھواں اور آخری ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ / ۱۶ صبح ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو یہ اخبار اس جماعت کے ارکان کو اور جو بھی طلب کرتا اسے مفت دیا جاتا۔ حکومت برطانیہ نے مصر اور برطانیہ میں اسکا داخلہ ممنوع قرار دیا۔(۳)

افغانی کے آخری ایام اندوھناک تھے انہوں نے یہ دن قسطنطنیہ کے طلائی قفس میں بسر کئے جہاں سلطان عبدالمجید نے انہیں اپنے سفیر لندن کے ذریعے دو دفعہ طلب کیا تھا۔ (۱۸۹۲ء) میں پہلے تو انہوں نے انکار کیا لیکن پھر جانے پر رضامند ہوگئے۔۔۔۔۔ ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو تھوڑی سی سرطان کی بیماری سے ان کا انتقال ہو گیا۔۔۔ دسمبر ۱۹۴۴ء کے اواخر میں ان کی

---

۱ محمد نعیم ندوی صدیقی سید جمال الدین افغانی (واقعات کی روشنی میں) اسلام اور عصر جدید۔۔۔ جولائی ۱۹۷۲ء ص ۸۲

۲ اردو دائرۃ المعارف جلد ۷ ص ۳۷۴

۳ ایضاً ص ۳۷۵

نعش کو افغانستان لے جایا گیا جہاں ۲ جنوری ۱۹۳۵ء کو کابل کے مضافات علی آباد کے قریب انہیں دفن کیا گیا اور ان کا مقبرہ تعمیر کیا گیا۔(۱)

افغانی کی زندگی تین اوصاف کی وجہ سے ممتاز ہے اولاً لطیف روحانیت، ثانیاً گہرا دینی اساس اور ثالثاً بلند اخلاقی معیار۔(۲)

جمال الدین افغانی مذہب کو تمام چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حقیقی تہذیب کی بنیاد علم اخلاق اور مذہب پر ہونی چاہیئے۔ وہ اسلامی اجتماعیت کو اشتراکیت اور اشتمالیت پر اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ اشتراکیت اور اشتمالیت کا مدار خود غرضی اور جبر و ظلم پر ہے۔

جمال الدین افغانی تحریک اتحاد اسلامی کے [جسے مغربی اہل قلم زیادہ تر مذمت کی خاطر پان اسلامزم کہتے ہیں] علمبردار ہیں۔ اس تحریک کا مقصد تمام اسلامی حکومتوں کو ایک خلافت کے جھنڈے تلے متحد و منظم کرنا تھا تاکہ وہ غیر ملکی تسلط سے چھٹکارا حاصل کر سکیں اور عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس لئے وہ قوم کو بلندیوں تک لے جانے کی تربیت دیتے ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں :

> جن لوگوں کی اپنی زبان نہ ہو ان میں قومیت کا صحیح تصور نہیں پیدا ہو سکتا۔ اور جس قوم کا اپنا ادبی سرمایہ نہ ہو اس کی زبان بھی نہیں ہوتی۔ نیز جس قوم کی اپنی تاریخ نہیں اس کی دنیا میں کوئی عزت نہیں ہو سکتی اور جو لوگ اپنے وطن کے ورثے کو حاصل نہیں کر سکتے یا اپنے بزرگوں کے کارناموں کی قدر نہیں کر سکتے ان کی کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی۔"(۳)

افغانی کی تصانیف میں جرائد اور رسائل کے علاوہ ایک کتاب "الواحدۃ اسلامیہ" نہایت اہم ہے دوسری کتاب "ابطال الملحدین" ہے دونوں ان کی اہم تصانیف ہیں جن میں انہوں نے اپنے نظریات کے علاوہ اتحاد اسلامی پر زور دیا ہے۔ انہی اصولوں کے لئے انہوں نے اپنی

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۳۷۸

۲ ایضاً " ص ۳۷۸

۳ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۳۷۹

ساری زندگی اور صلاحیتوں کو وقف کر دیا۔ تحریک اصلاح جس نے پہلے سلفیہ اور پھر بعد میں اخوان المسلمین کو پیدا کیا انہی کی ذات کی مرہون منت ہے۔ انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعے مسلمانوں کے فکر و عمل کی نشاۃ الثانیہ کی اہمیت پر بہت زور دیا۔(۱)

علامہ اقبال نے دیگر مشاہیر کی طرح سید جمال الدین افغانی کا ذکر بھی نہایت ہی عقیدت اور احترام سے کیا ہے۔علامہ نے افغانی کی تعلیمات سے اثر قبول کرلیا تھا۔ وہ ان کے بے حد مداح تھے اور اسکی خدمات کو سراہا۔ علامہ اور افغانی کے درمیان کچھ مشترکہ خصوصیات بھی تھیں جن میں اتحاد اسلامی اور اسلامی حکومتوں کے قیام کے علاوہ مکہ معظمہ کو مسلمانوں کا اہم مرکز قرار دینا تھا۔ اس کے علاوہ مسلم سلطنتوں کا وسیع بنیادوں کا قیام بھی افغانی نے سوچا تھا اور ان میں خلیفۃ المسلمین کو بھی اہم قرار دیا تھا۔

جب افغانی کا انتقال ۱۸۹۷ء میں ہوا اسی سال اقبال نے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ عربی اور انگریزی میں اعلیٰ استعداد پر دو طلائی تمغے دئے گئے تھے اور ایم۔اے کرنے کے لئے وظیفہ بھی ملا تھا اس وقت یقیناً افغانی تحریروں کا مطالعہ کیا ہوگا۔ وہ ہندوستان کے ان نوجوان مسلم طلباء میں سے تھے جنہوں نے افغانی کے افکار اور انکی تحریک سے اثر قبول کیا تھا۔(۲)

علامہ اقبال اور افغانی کی ملاقات کا ذکر کہیں نہیں ملتا البتہ جو کام افغانی نے شروع کیا اس کی تکمیل کے لئے قدرت نے علامہ کو متعین کر دیا۔(۳)

"علامہ کے نزدیک افغانی نے اسلام کی سربلندی کیلئے کافی موثر اقدامات کئے انکی عالمگیر جدو جہد اور انقلابی خدمات علامہ کو کافی پسند تھیں۔ علامہ کے خیال میں افغانی اپنے زمانے میں مسلمانوں کے نشاۃ الثانیہ کے موسس اور اپنے عہد میں سب سے بڑے مشرقی بلکہ سب سے بڑے مسلمان تھے۔"(۴)

سید جمال الدین کا ذکر کرتے ہوئے علامہ لکھتے ہیں :

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۳۷۲

۲ معین الدین عقیل ــــ سید جمال الدین افغانی اور اقبال، صحیفہ لاہور (اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۵

۳ ایس۔ایم۔فاروق ــــ طواسین اقبال حصہ دوم و سوم ص ۵۳

۴ ڈاکٹر معین الدین عقیل اقبال اور سید جمال الدین افغانی، صحیفہ لاہور، اکتوبر ۷۷ء، ص ۱۹۵

"مولانا سید جمال الدین افغانی کی شخصیت کچھ اور ہی تھی ۔ قدرت کے طریقے بھی عجیب وغریب ہوتے ہیں ۔ مذہبی فکر و عمل کے لحاظ سے ہمارے زمانے کے سب سے زیاد ترقی یافتہ مسلمان افغانستان میں پیدا ہوتا ہے ۔ جمال الدین دنیائے اسلام کی تمام زبانوں سے واقف تھے ۔ ان کی فصاحت و بلاغت میں سحر آفرینی ودیعت تھی ۔ ان کی بے چین روح ایک اسلامی ملک سے دوسرے اسلامی ملک کا سفر کرتی رہی اور اس نے ایران ، مصر اور ترکی کے ممتاز ترین افراد کو متاثر کیا ۔ ہمارے زمانے کے بعض جلیل القدر علماء جیسے مفتی محمد عبدہٗ اور نئی پود کے بعض افراد جو آگے چل کر سیاسی قائدین بن گئے ۔ جیسے مصرؔ کے زاغلول پادشاہ وغیرہ انھیں کے شاگردوں میں سے تھے ۔ انہوں نے لکھا کم اور کہا بہت اور اس طریقے سے ان تمام لوگوں کو جنہیں ان کا قرب حاصل ہوا چھوٹے چھوٹے جمال الدین بنادیا ۔ انہوں نے کبھی نبی یا مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا پھر بھی ہمارے زمانے کے کسی شخص نے روح اسلامی میں اس قدر تڑپ پیدا نہیں کی جس قدر کہ انہوں نے کی تھی ۔ ان کی روح اب بھی اسلام میں سرگرم عمل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اسکی انتہا کہاں ہوگی ۔" (۱)

علامہ اقبال سید جمال الدین کا ذکر کرتے ہوئے انگریزی خطبات میں لکھتے ہیں :

" ہمارا فرض ہے ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کئے بغیر اسلام پر بحیثیت ایک نظام فکر از سر نو غور کریں ۔ یہ غالباً شاہ ولی اللہ دھلوی تھے جنھوں نے سب سے پہلے ایک نئی روح کی بیداری محسوس کی ، لیکن اس عظیم الشان فریضے کی حقیقی اہمیت اور وسعت کا پورا پورا اندازہ تھا تو جمال الدین افغانی کو جو اسلام کی حیات ملی اور حیات ذہنی کی تاریخ میں بڑی گہری بصیرت کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے انسانوں اور ان کی عادات و خصائل کا خوب خوب تجربہ رکھتے تھے ۔ ان کا مطمع نظر بڑا وسیع تھا ۔ اس لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی کہ ان کی ذات گرامی ماضی اور مستقبل کے درمیان ایک جیتا جاگتا رشتہ بن جاتی ۔ ان کی ان تھک کوشش اگر صرف اسی امر پر مرکوز رہتیں کہ اسلام نے نوع انسان کو جس طرح کے عمل اور ایمان کی تلقین کی ہے اس کی نوعیت کیا

---

۱ حرف اقبال مرتب لطیف اللہ شیروانی ص ۱۴۹

ہے تو آج ہم مسلمان اپنے پاؤں پر کہیں زیادہ مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوتے۔"(۱)
علامہ اقبال نے جمال الدین افغانی کا ذکر "جاوید نامہ" میں بھی کیا ہے۔ جہاں جمال الدین امام ہیں اور سعید حلیم پاشا مقتدی۔ یہاں افغانی "سورۃ النجم" کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ ان کی تلاوت میں ایسا اثر ہے کہ ملائکہ اور انبیاء پر بھی حالت وجد طاری ہوجاتی ہے اور اس قراۃ سے غیب آشکار ہوجاتے ہیں۔ وطنیت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے جمال الدین ساری دنیا کو مسلمان قوم کا وطن قرار دیتے ہیں۔ "جاوید نامے" میں "فلک عطارد" پر زیارت ارواح جمال الدین افغانی و سعید حلیم پاشا کا ذکر یوں ملتا ہے۔

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام — مقتدی تاتار و افغانی امام
پیر رومی پر زمان اندر حضور — طلعتش برتافت از ذوق سرور
گفت مشرق زیں رد کس بہتر نزاد — ناخن نشان عقدہ ہائے ما کشاد
سید السادات مولانا جمال — زندہ از گفتار او سنگ و سفال
ترک سالار آں حلیم دردمند — فکر او مثل مقام او بلند

باچنیں مرداں دو رکعت طاعت است
ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است

قرآت آں پیر مردے سخت کوش — سورۃ النجم و آں دشت خموش
قرات کزدے خلیل آید بوجد — روح پاک جبرئیل آید بوجد
دل از و در سینہ گردد ناصبور — شور الااللہ خیزد از قبور
اضطراب شعلہ بخشد دود را — سوز و مستی می دہد داؤد را

آشکارا ہر غیاب از قرآتش
بے حجاب ام الکتاب از قرآتش

من ز جا برخاستم بعد از نماز — دست او بوسیدم از راہ نیاز
گفت رومی ذرہ گردوں نورد! — در دل او یک جہاں سوز درد!
چشم جز بر خویشتن نکشادہ — دل بکس نا دادہ آزادہ

---

۱ علامہ اقبال — تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ سید نذیر نیازی — ص ۱۷۸

تند سیر اندر فراخائے وجود
من ز شوخی گویم اورا زندہ رود (۱)

علامہ نے اس نظم میں ایک تصوراتی اسلامی مملکت کا خاکہ پیش کر دیا ہے اور اس کے لئے افغانی کو ذریعہ اظہار بنا کر ان کی عظمت بیان کی ہے ۔ یہاں کارل مارکس کے فلسفے پر یون تنقید کی گئی ہے :

صاحب سرمایہ از نسل خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل

زانکہ حق در باطل او مضمر است
قلب او مومن و دماغ کافر است (۲)

---

۱ علامہ اقبال کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ) ص ۵۵
۲ علامہ اقبال کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ) ص ۵۷

محمد نام حجتہ الاسلام لقب اور غزالی عرف ' آپ کی ولادت کے بارے میں مولانا شبلی لکھتے ہیں :

خراسان کے اضلاع میں ایک ضلع کا نام طوس ہے ۔ اس میں دو شہر ہیں ' طابران اور توقان ۔ امام صاحب ۴۵۰ھ میں طابران میں پیدا ہوئے ۔(۱) امام صاحب نے فقہ کی ابتدائی کتابیں احمد بن محمد راز کانی سے پڑھیں یہ بزرگ امام صاحب کے شہر ہی میں مقیم تھے اور یہیں درس دیتے تھے ۔ اس کے بعد جرجان کا قصد کیا اور امام نصر اسماعیلی کی خدمت میں تحصیل شروع کی ۔(۲) پھر امام صاحب نے نیشاپور میں تعلیم حاصل کرنے کا قصد کیا اور بالخصوص امام الحرمین سے تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رہا ۔ پھر ۴۷۸ھ تک جب امام الحرمین کا انتقال ہوا انہیں کے ساتھ مقیم رہے ۔ الغزالی میں شروع سے ہی ایک متشککانہ رجحان کا اظہار ہوتا ہے ۔ صوفیاء ماحول میں رہنے سہنے کے اور صوفیانہ ریاضتوں میں حصہ لینے کے باوجود [شروع میں] ان پر تصوف کا کوئی اثر نہ ہوا ۔ ان کا رجحان فقہی باریکیوں کے ساتھ تھا ۔ جسکا آغاز اس وقت ہوا جب ان کی عمر بیس برس سے بھی کم تھی ۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امام صاحب نیشاپور سے سلجوقی وزیر نظام الملک کے دربار میں پہنچے اور ۴۸۴ھ میں آپ کا تقرر مدرسہ نظامیہ بغداد میں بحیثیت معلم ہوا ۔ استاد امام الحرمین نے غزالی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ غزالی علم کا بحر ذخار ہیں ۔(۳)

قیام بغداد کے دوران وہ پورے متشکک اور مرتاب بن چکے تھے اور تشکک کا تعلق صرف مذہب ہی سے نہ تھا بلکہ کسی قطعی علم کے امکان سے بھی ۔ جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے الغزالی کبھی اس تشکک پر غالب نہ آسکے ۔ بغداد میں انہوں نے فقہ پر درس دیا اور اس علم میں

---

۱ علامہ شبلی الغزالی ص ۱

۲ ایضاً ص ۳

۳ ایضاً ص ۷

بعض کتابیں بھی تصنیف کیں ۔ وہ تعلیموں (باطنیہ 'امامیہ 'اسماعیلیہ) کے خلاف چند ایک کتب مناظرہ کے مصنف بھی ہیں ۔ جنہوں نے ۴۸۵ھ میں نظام الملک اور ملک شاہ کو قتل کر ڈالا۔ ۴۸۲ھ سے ۴۸۷ھ تک وہ اپنے زمانے کے مختلف مذاہب فکر خصوصاً فلسفے کا بڑی محنت سے مطالعہ کرتے رہے اور انجام کار پورے انہماک سے تصوف کی طرف مائل ہوگئے ۔عقل و فکر نے ان کی کوئی رہنمائی نہ کی تھی لہذا (انہوں نے خیال کیا) کیوں نہ واردات مذہب کا رخ کیا جائے۔ چنانچہ وہ پھر توحید' رسالت اور یوم حساب کو ماننے لگ گئے یا جیسا کہ خود انکا کہنا ہے کہ خدا نے حقائق میں ان کا ایمان ازسرنو تعمیر کر دیا تھا۔ قیامت کا ہولناک خوف ان کے دل پر چھا گیا۔ ماہ رجب سے ذوالقعدہ ۴۸۸ھ تک دہشت نے ان کے اندر جو انقلاب پیدا کر دیا تھا اسکی وجہ سے انہیں ایک درد اور کرب کی جس حالت سے گزرنا پڑا اس سے ان کی ذہنی اور جسمانی صحت جواب دے گئی ۔ بالاخرہ ذوالقعدہ میں وہ بلند منصب اور دینوی خواہشات کو خیر باد کہکر ایک جہاں گشت درویش کی حیثیت میں بغداد سے چل کھڑے ہوئے ۔ اب انکی زندگی زہد و تشت اور غور و فکر کے لئے ہوگی تاکہ ان کی روح کو سکون اور ذہن کو یقین حاصل ہو اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوگئے ۔(۱)

بغداد چھوڑنے کے بعد امام غزالی شام آئے ' تزکیہء نفس 'اخلاق کی درستی اور ذکر اللہ کے لئے کے لئے اپنے قلب کو مصفا بنانے میں مشغول رہے ۔ پھر جامع مسجد دمشق میں معتکف رہے ۔ اس کے بعد بیت المقدس آئے ۔ یہاں بھی عبادتوں اور ریاضتوں میں مشغول رہے اس کے بعد حجاز آئے اور کئی سال تک انہوں نے خلوت و عزلت میں گزارے ۔ لیکن عالم اسلامی کے ان بگڑے ہوئے انسانوں کی اصلاح وقت کا اہم تقاضا ہے اس احساس نے ان کو صحیح فرض یاد دلایا یا پھر نئے عزم' پاک ارادوں اور نئی لگن کے ساتھ خلوت سے انجمن میں آئے ۔(۲)

امام غزالی نے ۴۹۹ھ میں نیشا پور کے مدرسہ نظامیہ میں تدریس کا کام شروع کیا ۔

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص ۴۸۲

۲ اعجاز الحق قدوسی اقبال کے محبوب صوفیاء' ص ۸۵ بحوالہ سید ابوالحسن ندوی ــــ تاریخ دعوت عزیمت (ماخوذ ص ۱۱۱ - ۱۴۵)

فخر الملک نے امام صاحب کو اس تدریس کے کام کے لئے تیار کیا۔فخر الملک محرم ۵۰۰ ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ شہید ہوا اور غالباً اس کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد امام صاحب نے عہدہ تدریس سے کنارہ کشی کر کے طوس میں خانہ نشینی اختیار کی۔ گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی ' جہاں مرتے دم تک ظاہری اور باطنی دونوں علموں کی تلقین کرتے رہے۔(۱)

امام غزالی کے انتقال کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں :

امام صاحب نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ ھ میں بمقام طابران انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

ابن جوزی نے ان کے مرنے کا قصہ ان کے بھائی احمد غزالی کی روایت سے حسب ذیل لکھا ہے :

" پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے ' وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا " آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔" یہ کہکر پاؤں پھیلا دیئے(۲) لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔

امام صاحب کے مرنے کا تمام اسلامی دنیا کو صدمہ ہوا۔(۳)

تصانیف کے لحاظ سے امام صاحب کی حالت نہایت حیرت انگیز ہے۔انہوں نے کل ۵۴'۵۵ برس کی عمر پائی۔تقریباً ۲۰ برس کی عمر سے تصنیف کا مشغلہ شروع ہوا۔ دس گیارہ برس صحرا نوادری اور باد پیمائی میں گزرے۔ درس و تدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا اور کسی زمانے میں ان کے شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی۔ فقر و تصوف کے مشغلے جدا۔اور دور سے جو فتاوے آتے تھے ان کا جواب لکھنا الگ باایں ہمہ سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔جن میں بعض بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں۔اور گوناگوں مضامین سے پر ہیں۔ اور جو تصنیف ہے اپنے باب میں بے نظیر ہے سچ ہے :

---

۱ علامہ شبلی نعمانی الغزالی ص ۲۵

۲ ایضاً ص ۳۴ بحوالہ شرح احیاء بحوالہ ابن جوزی ـــ ص ۱۱

۳ ایضاً ص ۳۴

ایں سعادت بزور بازو نیست (۱)

امام غزالی کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں :

"امام غزالی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے یونانی فلسفے کے مفروضات پر جرح کرنے اور اس پر عملی تنقید کرنے کی جرآت کی۔ فلسفہ یونانی کے رواج نے اعتقاد کی بنیادیں ہلادی تھیں اور اس کی اشاعت سے ملت کی ذہنی زندگی میں جو انتشار پیدا ہوچکا تھا انہوں نے فلسفے کی پیدا کردہ ایک ایک الجھن کو اسلامی نقطہ نظر سے سلجھایا۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھایا کہ وہ مادی ترقی جو انسان کو معبود حقیقی سے دور لے جائے ترقی نہیں زوال ہے۔ ان کی دو کتابیں مقاصد الفلاسفہ اور تہافتہ الفلاسفہ ان کے اسی نقطہ کی آئینہ دار ہیں۔ ان کا دوسرا اصلاحی کارنامہ جس نے عالم اسلامی میں ان کے نام کو روشن کردیا اور جس کا شمار اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات میں ہوتا ہے وہ ان کی معرکتہ آلآ کتاب احیاء العلوم ہے۔ انہوں نے یہ اپنی عظیم تصنیف بارہویں صدی عیسوی کے بالکل ابتداء میں مکمل کی۔ عبدالغافر فارسی جو امام غزالی کے ہمعصر اور امام الحرمین کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں کہ احیاء العلوم کے مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی۔ امام غزالی نے یہ کتاب خاص حالات و کیفیات اور خاص جذبے کے ساتھ لکھی۔ جو ان کے قلبی تاثرات، علمی تجربات، اصلاحی خیالات اور وجدانی کیفیات کا آئینہ ہے۔" (۲)

مولانا شبلی احیاء العلوم کے بارے میں لکھتے ہیں :

"اسکے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے یہ بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانے میں لکھی گئی امام صاحب تاثیر کے نشے میں سرشار تھے۔ بغداد میں ان کو تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا۔ تمام مذاہب کو چھانا۔ کسی

---

۱ علامہ شبلی نعمانی الغزالی ص ۳۸

۲ اعجاز الحق قدوسی اقبال کے محبوب صوفیاء ص ۸۶

(بحوالہ سید ابوالحسن ندوی تاریخ دعوت عزیمت ــــ حصہ اول ص ۱۱۱ تا ۱۴۵ (ماخوذ)

سے تسلی نہیں ہوئی آخر تصوف کی طرف رخ کیا لیکن وہ قال کی چیز نہ تھی بلکہ سرتا پا چال کا [illegible] کام تھا اور اس کا پہلا زینہ اصلاح باطن اور تزکیہ نفس تھا ـ ـ ـ ـ ـ آخر سب چھوڑ چھاڑ کر ایک کمل پہن کر بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی ـ سخت مجاہدات اور ریاضات کے بعد بزم راز تک رسائی پائی ـ یہاں پہنچکر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہوکر تمام عالم سے بے خبر ہو جاتے لیکن ـ ـ ـ ـ ـ افادہء عام پر نظر پڑی تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے ـ امیر و غریب، عام و خاص، عالم و جاہل، رند و زاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں ـ اور ہوتے جاتے ہیں ـ علماء جو دلیل راہ بن سکتے تھے طلب جاہ میں مصروف ہیں ـ یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی ـ دیباچہ میں خود لکھتے ہیں" میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھالیا ہے اور سعادت اخروی کی راہیں بند ہوگئی ہیں ـ علماء جو دلیل راہ تھے زمانہ ان سے خالی ہوتا جاتا ہے جو رہ گئے وہ نام کے عالم ہیں ـ جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور جنھوں نے تمام عالم کو یقین دلایا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے مناظرہ (جو فخر اور غور کا ذریعہ ہے) وعظ و پند (جس میں عوام کی دلفریبی کے لئے رنگین اور مسجع فقرے استعمال کئے جاتے ہیں) فتوی دنیا جو مقدمات کے فیصل کرنے کا ذریعہ ہے ـ باقی آخرت کا علم تو وہ تمام عالم سے ناپید ہو گیا ہے اور لوگ اس کو بھول بھلا چکے، یہ دیکھکر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی ـ "(۱)

احیاء العلوم کے علاوہ نصیحت الملوک ایک اہم تصنیف ہے جس میں عدل و انصاف اور امور سلطنت کے احکام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ـ کیمیائے سعادت ایک ایسی کتاب ہے جس نے احیاء العلوم کے بعد غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی ہے ـ یہ کتاب اخلاق اور دینی مضامین پر مشتمل ہے ـ

امام غزالی کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :

"ـ ـ ـ ـ امام غزالی کی مثبت خوبیوں کا مطالعہ کریں تو ایک بڑی دل کش، لائق صد احترام شخصیت نظر آتی ہے اور ان کی محبت دینی جرات ، قابلیت ، بصیرت اور انسان دوستی

---

۱ علامہ شبلی نعمانی الغزالی ص ۵۸

پر بے ساختہ دل سے آفرین نکلتی ہے جن کی بدولت مسلمانوں کی ذہنی اور روحانی زندگی میں اس قدر وسعت، گہرائی، ٹھہراؤ اور توازن کا اضافہ ہو۔۔۔ علامہ شبلی نے امام صاحب کی مشہور تصانیف کو مضامین کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے یوں تو انہوں نے زمین علم کی کتنی کھیتوں مثلاً فقہ، اصول فقہ، کلام، منطق، فلسفہ وغیرہ کو سیراب کیا۔ لیکن ان کی محنتوں کا اصل میدان تصوف و اخلاق تھا۔ جس میں انہوں نے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت۔ اخلاق الابرار، نصیحت الملوک، مشکوۃ الانوار جیسے شاہکار چھوڑے ہیں۔"(۱)

فقہ اور اصول فقہ میں امام غزالی کی متعدد اعلیٰ درجے کی تصانیف ہیں۔ امام صاحب شافعی تھے اور شبلی لکھتے ہیں کہ فقہ میں ان کی چاروں تصانیف یعنی بسیط، وسیط، وجیز اور وسائل فقہ شافعی کے چار ارکان ہیں۔(۲) علم الکلام میں ان کا مقام اس سے بھی بلند ہے اور غالباً ان کے متکلمانہ کارنامے تھے جن کی وجہ سے ان کی زندگی ہی میں ان کو حجۃ الاسلام کا لقب دیا گیا جو آج تک قائم ہے۔ شبلی نے ان کارناموں کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی سب سے مشہور کتاب تہافت الفلاسفہ یعنی فلاسفہ کی گمراہی ہے جس میں ان فلاسفروں کی تردید کی ہے جو عقل و ذہن اور حکمت و فلسفہ کے زعم میں مذہب کو باطل اور غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں امام صاحب کے مقصد تالیف کا جو خلاصہ شبلی نے تہافتہ کے مقدم سے الغزالی میں درج کیا ہے وہ تمام کا تمام دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے (۳) مولانا شبلی لکھتے ہیں

"ہمارے زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا دل و دماغ عام آدمیوں سے ممتاز ہے۔ یہ لوگ مذہبی احکام اور قیود کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ حکمائے قدیم مثلاً افلاطون، ارسطو وغیرہ مذہب کو لغو سمجھتے تھے اور چونکہ یہ حکما تمام علوم و فنون کے بانی اور موجد تھے اور عقل و ذہن میں ان کا کوئی ہم سر نہیں ہوا۔ اس لئے ان کا انکار مذہب اس بات کی دلیل بین ہے کہ مذہب

---

۱ شیخ محمد اکرام الغزالی المعارف لاہور دسمبر ۱۹۶۹ء ص ۱۸
۲ مولانا شبلی نعمانی الغزالی ص ۷۲
۳ شیخ محمد اکرام الغزالی المعارف دسمبر ۱۹۶۹ء ص ۱۹

حقیقت میں لغو اور باطل ہے اور اسی کے اصول و قواعد فرضی اور مصنوعی ہیں جو صرف ظاہر میں خوش نما اور دلفریب ہیں۔

اس بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ ان حکما نے الٰہیات پر جو کچھ لکھا ہے اس کی غلطیاں دکھاؤں اور ثابت کروں کہ ان کے مسائل اور اصول بازیچہ اطفال ہیں۔"(۱)

تہافتہ الفلاسفہ کے بارے میں علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ محنت چنداں سود مند نہیں ہوتی (۲) لیکن انہیں بھی اعتراف ہے کہ اس کتاب نے فلسفہ یونان کی عظمت دلوں سے کم کردی اور لوگ اس کے عیب و ہنر کی جانچ کی طرف متوجہ ہوئے۔(۳) حکمت اور فلسفہ میں جو باتیں اسلام کے خلاف نہ تھیں اور مفید تھیں انہیں امام صاحب نے اختیار کرلیا۔ انہوں نے فلاسفہ کے رو میں اپنی شہرہ آفاق کتاب تہافتہ الفلاسفہ لکھی لیکن انہوں نے خود فلسفیوں کی کئی قابل قبول چیزیں اخذ کرلیں (۴) چنانچہ ایک جگہ امام صاحب فرماتے ہیں :

"اچھا فرض کرلو جو باتیں میں نے لکھیں وہ حکما کی کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتیں لیکن اگر وہ باتیں معقول ہیں اور دلائل سے ثابت ہیں اور قرآن اور حدیث کے خلاف نہیں ہیں تو پھر ان کے چھوڑنے اور ان سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے اگر ہم ایسا کرنے پر آئیں اور ان تمام سچی باتوں کو رد کردیا کریں جو پہلے کسی بدعقیدہ کے خیال میں گزریں تو ہم کو بہت ہی سچی اور حق باتوں کو چھوڑ دینا پڑے گا۔"(۵)

ایک جگہ عقل و نقل کی تطبیق کے بارے میں لکھتے ہیں :

"جو شخص عقل کو باطل معزول کرکے محض تقلید کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے وہ جاہل ہے اور جو شخص صرف عقل پر بھروسہ کرکے قرآن و حدیث سے بے پروا بنتا ہے وہ مغرور ہے خبردار ! تم ان میں سے ایک فریق نہ بن جانا۔ تم کو دونوں کا جامع

۱	مولانا شبلی نعمانی	الغزالی	ص ۱۱۰ - ۱۱۱
۲	ایضاً		ص ۱۱۲
۳	ایضاً		ص ۱۱۲
۴	شیخ محمد اکرام	الغزالی	المعارف لاہور دسمبر ۱۹۶۹ء ص ۲۳
۵	مولانا شبلی نعمانی	الغزالی	ص ۲۳۵

ہونا چاہیئے کیونکہ علوم عقیدہ غذا کی طرح ہیں اور علوم شرعیہ دوا کی طرح ۔"(۱)

امام صاحب پر کئے گئے اعتراضات اور نکتہ چینیوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں :

"اس بات کا بھی اعتراف کرنا ضروری ہے کہ امام صاحب کی بعض تصانیف میں واقعی بعض باتیں مواخذہ کے قابل ہیں ۔ مثلاً احیاء العلوم میں احادیث کے نقل کرنے میں نہایت بے احتیاطی کی ہے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں موضوع اور ضعیف نقل کردی ہیں جس کا کتب احادیث میں کہیں پتہ نہیں، احادیث پر موقوف نہیں، بزرگان سلف کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں اکثر دوراز کار اور بعید از عقل ہیں اور بجز عوام کے کوئی شخص ان پر یقین نہیں کرسکتا ۔ اسی کے ساتھ زہد اور مجاہدہ کے بیان میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو اعتدال سے متجاوز ہیں، علامہ ابن القیم نے نہایت سختی سے اس پر دارو گیر کی ہے چنانچہ علامہ مرتضیٰ نے احیاء العلوم کی شرح میں امام صاحب کے اقوال اور ابن القیم کا رد تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے ۔علامہ موصوف نے ابن القیم کے ہر اعتراض کا جواب بھی دیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ بعض اعتراضات لاجواب ہیں ۔ بہر حال امام صاحب امام تھے پیغمبر نہ تھے اور پیغمبر کے سوا کسی شخص کو عظمت کا رتبہ حاصل نہیں ہوسکتا ۔"(۲)

علامہ اقبال نے امام غزالی کا ذکر اپنی شاعری اور نثر دونوں میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے ۔ اس عظیم المرتبت شخصیت کی سحر گاہی کو وہ ایک نمونہ و مثال بنا کر اس طرح پیش کرتے ہیں :

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے بے آہ سحر گاہی (۳)

"بانگ درا" کی نظم جواب شکوہ میں غزالی کا نام یوں عقیدت سے پیش کیا ہے :

---

۱ مولانا شبلی نعمانی الغزالی ص ۱۹۱
۲ ایضاً ص ۲۵۰
۳ بال جبریل غزل نمبر ۲۴

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی (۱)

ارمغان حجاز کی غزل نمبر ۱۴ میں غزالی کا ذکر یوں ملتا ہے :

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم

دل جنید و نگاہ غزالی و رازی (۲)

علامہ اقبال نے امام غزالی کا ذکر اپنے انگریزی خطبات میں بھی کیا ہے :

"غزالی کے ذاتی حالات کا تقاضا تھا کہ امام موصوف نے مذہب کی بنا فلسفیانہ تشکک پر رکھی حالانکہ یہ مذہب کی کوئی محکم اساس ہے نہ تعلیمات قرآنی کے مطابق ----- بایں ہمہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ غزالی کی دعوت میں ایک پیغمبرانہ شان پائی جاتی تھی۔ --- یہ اور بات ہے کہ امام موصوف اپنے تشکک میں کسی قدر آگے بڑھ گئے تھے۔غزالی نے بھی اس بلند مگر بے روح عقلیت کا زور ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جس کا رجحان ٹھیک اسی جانب تھا جس طرف کانٹ سے پہلے جرمنی میں لیکن کانٹ اور غزالی کے درمیان ایک اہم فرق ہے اور وہ یہ کہ کانٹ نے اپنے اصول و کلیات کا ساتھ دیتے ہوئے یہ تسلیم نہیں کیا کہ ذات الٰہی کا ادراک ممکن ہے۔ برعکس اس کے غزالی نے فکر تحلیلی سے مایوس ہوکر صوفیانہ واردات کا رخ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ ان کے اندر مذہب کا ایک مستقل سرمایہ موجود ہے لیکن جس کا مطلب گویا یہ تھا کہ مذہب کو سائنس اور مابعد الطبیعات سے الگ رکھتے ہوئے بھی [خواہ ان سے مذہب کی تائید کا پہلو نکلتا ہو یا تردید کا] اپنا آزاد اور مستقل وجود برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔" (۳)

اقبال نے اپنے کلام میں سینا اور فارابی کے ذکر کے ساتھ ساتھ امام غزالی کا ذکر نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کیا ہے اگرچہ سینا اور فارابی کے مقابلے میں کلام اقبال میں غزالی کا ذکر کم ملتا ہے (۴) مگر پھر بھی عقیدت میں تینوں کا ذکر ایک ساتھ ملتا ہے۔

---

۱ کلیات اقبال اردو (حصہ بانگ درا) ص ۲۰۳

۲ کلیات اقبال اردو (حصہ ارمغان حجاز) ص ۳۲۳

۳ تشکیل جدید الہیات اسلام مترجم نذیر نیازی ۱۹۹۲ ص ۴۸

۴ سید وقار عظیم اقبال معاصرین کی نظر میں ص ۳۴۶

علامہ اقبال اور سعید حلیم پاشا

سعید حلیم پاشا ۱۸۶۵ء میں بمقام قسطنطنیہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شہزادہ ابراہیم حلیم پاشا محمد علی پاشا (خدیو مصر) کے ولی عہد تھے مگر اپنی روشن فکری تیز انقلابی سرگرمیوں کے نتیجے میں جلاوطن کر دئے گئے اور ان کے بجائے توفیق پاشا خدیو مصر بنے۔(۱)

سعید حلیم پاشا نے ابتدائی تعلیم قسطنطنیہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ قاہرہ اور یورپ گئے آپ نے اسلامی اور مغربی علوم و فنون میں کمال حاصل کرلیا۔ قدرت نے آپ کو بلند دماغ عطا کیا تھا۔ ترکی اور عربی آپ کی مادری زبانیں تھیں۔اس کے علاوہ عربی فارسی اور فرانسیسی پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔ تقریر اور تحریر میں آپ بے مثال تھے۔ آپ کو لوگ کافی پسند کرتے تھے۔

جب توفیق پاشا (خدیو مصر) کے طرز عمل سے لوگ تنگ آگئے تو آپ کو لوگوں نے خدیو مصر بنانا چاہا مگر انگریزوں نے لوگوں کی اس امید کو پورا ہونے نہ دیا اور آپ کو قدم جمانے نہ دیا گیا۔ بہر حال آپ ۱۸۸۹ء میں قسطنطنیہ لوٹ آئے۔

عثمانی سلطان عبدالحمید دوم نے سعید حلیم پاشا کو وزارت کی پیشکش کی چنانچہ آپ نے مختلف قلمدان ہائے وزارت سنبھالے۔ ۱۹۰۲ء میں انہیں پاشا کا اعزاز دیا گیا۔ان کی استعداد اور خدمات کا مخالف بھی اعتراف کرتے تھے اور اپنے اصلاحی اور سیاسی عزائم میں رکاوٹ کے پیش نظر ۱۹۰۵ء میں انہوں نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ حزب اصلاحی کے رکن تھے (جسے انجمن اتحاد و ترقی بھی کہتے ہیں) ان کا حزب ہمہ گیر ترقی اور انقلاب کا داعی تھا مگر اس انقلاب و ترقی کے نشے سے سرشار ہوکر دین و مذہب کو خیر باد کہنے کا حامی نہ تھا۔ سعید حلیم پاشا نے اس حزب کے نوجوانوں کی بطرز احسن تربیت کی تھی مگر بعض جذباتی ارکان سے

---

۱ محمد ریاض اقبال اور سعید حلیم پاشا اقبال ریویو ــــ جنوری ۱۹۷۱ء
ص ۴۹ جنوری

اختلاف کر کے ۱۹۰۵ء میں مصر چلے گئے۔(۱) ۱۹۰۸ء میں آپ کو پھر طلب کر کے واپس لایا گیا۔ ۱۹۱۱ء آپ کونسل آف اسٹیٹ کے صدر مقرر کئے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں انجمن اتحاد ترقی کے صدر مقرر کئے گئے اور وزارت خارجہ کا عہدہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں مارشل محمود شوکت پاشا کی شہادت کے بعد وہ ترکی کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں جنگ شروع ہوئی تو انہوں نے مجبور ہو کر انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ ۱۹۱۹ء میں جب انگریز قسطنطنیہ پر قابض ہوئے تو انہون نے پاشا اور ان کے رفقاء پر مقدمہ چلایا اور ان کو مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ ایک سال بعد رہا ہونے پر وہ روم (اطالیہ) میں سکونت پزیر ہو گئے۔ یہاں انہوں نے ۱۹۲۱ء کے آخری مہینوں میں فرانسیسی زبان میں ایک مقالہ لکھا جسکا عنوان "مسلمان معاشرے کی اصلاح" تھا۔ ۶ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ایک بدطینت ارمنی نوجوان نے انہیں گولی کا نشانہ بنایا(۲) اواس طرح اس شہزادے کا انتقال ہو گیا۔

سعید حلیم پاشا ایک بلند پایہ دیندار تھے اور متعدد زبانوں کے ماہر تھے۔ جب ۱۹۱۷ء میں آپ کی صحت خراب ہوئی اور آپ نے وزارت اعظمیٰ کے عہدہ سے استعفیٰ دیا تب آپ قسطنطنیہ میں خانہ نشین ہو گئے اور صحت کی بحالی پر آپ نے ترکی زبان میں ایک کتاب "اسلام التشمق" تصنیف کی۔ اسلام اور عصر حاضر کے تقاضوں پر لکھی گئی اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام ایک بہترین ضابطہ حیات ہے۔ سعید حلیم پاشا کی یہ تصانیف کافی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کی مذکورہ کتاب اور مقالہ اس قابل ہیں کہ انہیں اسلامی مفکرین کی صف اول میں جگہ دی جائے۔(۳)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کی عظیم المرتبت شخصیت کا ذکر اپنے کلام میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ ترکی جہاں مختلف اصحاف فکر کی نظروں میں خاص اہمیت کا مرکز رہا ہے وہاں علامہ اقبال کی نگاہ بھی اس خاص حصے پر رہی اور اس سے بڑھکر "جس ترک رہنما کی شخصیت اور دینی افکار نے علامہ مرحوم کی فکر و نظر کو خاص طور پر متاثر

---

۱ محمد ریاض اقبال اور سعید حلیم پاشا اقبال ریویو جنوری ۱۹۷۱ء، ص ۵۰

۲ ایضاً ص ۵۱

۳ ایضاً شمارہ ۲ ص ۵۱

کیا ۔ بلکہ جسے وہ سید جمال الدین افغانی کے بعد عصر حاضر میں سرزمین مشرق کا سب سے بڑا نابغہء تسلیم کرتے ہیں ۔ وہ شہزادہ سعید حلیم پاشا (م ۶ دسمبر ۱۹۲۱ء) ہیں ۔ علامہ نے اپنی دو بلند پایہ تصانیف "اسلامی مذہبی فکر کی تشکیل نو" اور "جاوید نامہ" میں اس ترک راہبر کی خدمات و افکار کو سراہا ہے ۔ (۱)

تشکیل جدید الہیات اسلامیہ کے چھٹے خطبے میں علامہ لکھتے ہیں :

"ابھی زیادہ دن نہیں گزرے جب ترکی فکر نے دو راستے اختیار کر رکھے تھے ایک وہ جس کی نمائندگی حزب وطنی نے کی تھی ۔ دوسرا حزب اصلاحی کا راستہ ۔ حزب وطنی کو دلچسپی تھی تو ریاست سے مذہب سے انہیں کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا ۔ ان کا خیال تھا کہ ریاست سے الگ مذہب کا کوئی وظیفہ نہیں ۔۔۔۔۔ برعکس اسکے حزب اصلاحی نے جس کی زمام قیادت سعید حلیم پاشا کے ہاتھ میں تھی ۔ اس بنیادی حقیقت پر زور دیا کہ اسلام میں عینیت اور اثباتیت دونوں کا امتزاج نہایت خوبی سے ہو چکا ہے ۔ یوں بھی اس نے حریت ' مساوات اور استحکامی انسانیت کی ابدی صداقتوں کو چونکہ ایک وحدت میں سمو دیا لہذا اس کا کوئی وطن نہیں پھر جیسے نہ تو کوئی انگریزی ریاضیات ہے ' نہ فرانسیسی کیمیا ' وزیر اعظم ترکی کے نزدیک نہ تو کسی ترکی اسلام کا وجود ہے نہ عربی ۔ ایرانی اور ہندی اسلام کا ـــــ چنانچہ اس بڑے ہی بالبصر اہل قلم کا خیال ہے کہ تہذیب جدید کو جس بنا وطنی انانیت پر ہے انسان کے دور وحشت اور بربریت ہی کی ایک شکل تصور کرنا چاہیئے ـــــ سعید حلیم کو افسوس ہے کہ اسلام کے اخلاقی اور اجتماعی مقاصد بھی بعض ایسے توہمات کے زیر اثر جو امم اسلامیہ کے اندر زمانہ قبل اسلام سے کام کر رہے تھے غیر اسلامی شکل اختیار کرتے چلے گئے ۔ ان کے مقاصد بھی اسلامی کم ہیں اور عجمی عربی یا ترکی زیادہ ۔ نہ توحید کا صاف ستھرا اور پاکیزہ چہرہ کفر و شرک کے غبار سے محفوظ رہ سکا ۔ نہ قید و مقامی کی روز افزوں پابندیوں نے اسلام کے اخلاقی مقاصد کی غیر شخصی اور عالمگیر نوعیت کو قائم اور برقرار رہنے دیا ۔" (۲)

---

۱ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال اور سعید حلیم پاشا اقبال ریویو ' جنوری ۱۹۷۱ء ' ص ۵۱

۲ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ (ترجمہ نذیر نیازی) ص ۲۵۶

سعید حلیم پاشا سے بالخصوص قومیت اور تہذیب و معاشرت میں اس کے خیالات سے اقبال بہت متاثر تھے ـــــ ترکی وطن پرستوں کے لادینی نظریات کی تردید کرتے ہوئے اس ضمن میں سعید حلیم پاشا کے خیالات کی تائید اور تعریف کی ہے خصوصاً قومیت کے تعلق سے ان کے خیالات کہ اسلام کا کوئی وطن نہیں اور نہ کسی ترک اسلام کا کوئی وجود ہے نہ عربی ' ایرانی ' ہندی اسلام کا اقبال کے خیال میں وہ نہایت ہی بالبصیرت اہل قلم تھا اور اسکا طرز فکر سراسر اسلامی تھا۔ (۱)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کا ذکر "جاوید نامہ" میں نہایت ہی عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کا ذکر جاوید نامہ کے "فلک عطارد" میں موجود ہے۔ یہاں اسکی تعلیمات کا معنی خیز ذکر موجود ہے۔ "جاوید نامہ" کا یہ حصہ اقبالیات کے اہم ترین مباحث پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کی ابدی تعلیمات خصوصاً سیاسی تعلیمات جس قدر جامع و مانع طور پر "فلک عطارد" میں سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی زبانی مذکور ہیں اقبال کی کسی دوسری کتاب میں یکجا نظر نہیں آتیں۔ (۲)

جاوید نامہ میں فلک عطارد پر پہنچتے ہی علامہ اقبال رومی سے کہتے ہیں :

من بہ رومی گفتم این صحرا خوش است — در کہستان شورش دریا خوش است
من نیا بم از حیات ایں جانشاں — از کجا می آید آواز اذاں ؟
گفت رومی "ایں مقام اولیاست — آشنا ایں خاکداں باخاک ماست
بوالبشر چوں رفت از فردوس بست — یک دو روزے اندریں عالم نشست
ایں فضا ہا سوز آہش دیدہ است — نالہ ہائے صبحگاہش دیدہ است
زائر ان ایں مقام ارجمند — پاک مرداں از مقامات بلند
پاک مرداں چو فضیل و بو سعید — عارفاں مثل جنید و با یزید

---

۱ معین الدین عقیل بعض شخصیات و تحریکات سے اقبال کی دلچسپی مشمولہ اقبال ۸۵ مرتبہ ڈاکٹر وحید عشرت ـــ ص ۱۸۱

۲ محمد ریاض اقبال اور سعید حلیم پاشا اقبال ریویو ' جنوری ۱۹۷۱ء ' ص ۵۳

خیز تا ما را نماز آید بدست
یک دو دم سوز و گداز آید بدست (۱)

یہاں سے آگے نکل کر علامہ دو آدمیوں کو دیکھتے ہیں ایک جمال الدین افغانی اور دوسرا سعید حلیم پاشا، چنانچہ رومی علامہ سے ان ہی دو آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام — مقتدی تا تار و افغانی امام
پیر رومی ہر زماں اندر حضور — طلعتش برتافت از ذوق و سرور
گفت "مشرق زیں دو کس بہتر نزاد — ناخن شان عقدہ ہائے ما کشاد
سید السادات مولانا جمال — زندہ از گفتار او سنگ سفال
ترک سالار آں حلیم و دردمند — فکر او مثل مقام او بلند

باچنیں مرداں دو رکعت طاعت است
ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است (۲)

یہاں مسئلہ وطنیت پر بحث ہوتی ہے اور مسئلہ اشتراکیت پر بھی ہوتی ہے۔ جمال الدین اور علامہ کے درمیان یہ گفتگو سعید حلیم پاشا سنتے ہیں۔ سعید حلیم پاشا "شرق و غرب" عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیمات سے فیض یاب ہونا چاہیئے اور مغرب کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ دلوں میں پیدا کرنا چاہیئے۔ اور یہی ان کے لئے صحیح راستہ ہے۔ اگرچہ مغربی علوم سے فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے مگر قرآنی تعلیمات ضروری ہیں اور امور سلطنت اور باقی ساری زندگی انہی اصولوں کے تحت بسر کرنی چاہیئے تاکہ مسلمانوں کی زندگی بہتر بن سکے۔

غریبان را زیر کی ساز حیات — شرقیاں را عشق راز کائنات
زیر کی از عشق گردد حق شناس — کار عشق از زیر کی محکم اساس
عشق چوں با زیر کی ہمبر شود — نقشبند عالم دیگر شود

---

۱ کلیات اقبال فارسی حصہ جاوید نامہ (فلک عطارد) ص ۵۴
۲ ایضاً ص ۵۴

زندگی را سوز و ساز از نار تست | عالم نو آفریدن کار تست
چوں مسلمانان اگر داری جگر | در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہاں تازہ در آیات اوست | عصر ہا پیچیدہ در آنات اوست !
بندہء مومن ز آیات خداست | ہر جہاں اندر براو چوں قباست

چون کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش (۱)

علامہ اقبال سعید حلیم پاشا کی گفتگو سنتے ہیں اور جمال الدین افغانی سے کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کے حقائق سے لوگ بے خبر ہیں ۔ جمال الدین افغانی محکمات عالم قرآنی کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں ۔ مختلف عنوانات مثلاً خلافت آدم، حکومت الہٰی ارض ملک خداست اور حکمت خیر کثیر است کے موضوعات کو افغانی فکر انگیز اور مجتہدانہ انداز سے پیش کرتے ہیں ۔ علامہ کہتے ہیں ان مسائل پر غور کرنے کے بعد بھی سمجھ نہیں آتا ہے قوم کیوں زوال پذیر ہے ۔ یہاں تک کہ ترک، کرد وغیرہ باغیرت اقوام بھی بے حس و حرکت ہیں ۔
اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سعید حلیم پاشا کہتے ہیں :

دین حق از کافری رسوا تراست | زانکہ ملا مومن کافر گراست
شبنم ما در نگاہ مایم است | از نگاہ ادیم ما شبنم است
زاں سوئے گردون دلش بیگانہء | نزد او ام الکتاب افسانہء
کم نگاہ و کور ذوق دہر زہ گرد | ملت از قال واقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب | کور مادر زاد نور آفتاب

دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ جہاد (۲)

مرد حق جاں جہاں چار سوے | آں بخلوت رفتہ راز من بگوے
اے ز اذکار تو مومن را حیات | از نفسہائے تو ملت را ثبات

---

۱ کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ فلک عطارد) ص ۶۰
۲ ایضاً ص ۶۸ــــ۶۹

حفظ قرآن عظیم آئین تست — حرف حق را فاش گفتن دین تست
فطرت تو مستنیر مصطفیٰ ست
باز گو آخر مقام کجاست
مرد حق از کس نگیرد رنگ بو — مرد حق از حق پذیرد رنگ بو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر — ہر زماں اورا چو حق شانے دگر
راز ہا با مرد مومن باز گوے — شرح رمز کل یوم باز گوے
جز حرم منزل ندارد کارواں — غیر حق در دل ندارد کارواں
من نمی گویم کہ راہش دیگر است
کارواں دیگر نگاہش دیگر است (۱)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کی زبانی ان اصولوں کی وضاحت کی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب وہ تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو لوگوں کی صحیح تربیت نہیں کرسکتا ہے کیونکہ وہ مغرب کی تعلیم کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات اور قرآنی تعلیمات بے حد ضروری ہیں۔ دوسرے وہ "ملا" جو دین و اسلام کو صحیح ڈھنگ سے پیش نہیں کرتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک مسلمانوں کا مرکز مکہ معظمہ ہے اور کسی بھی جگہ یہ حق حاصل نہیں۔ ایک ہی مرکز کی طرف رجوع کرنے سے ہی اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔

اور یہی واحد مرکز تسلیم کرنا ضروری ہے۔

---

۱ کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ فلک عطارد) ص ۷۰

علامہ اقبال اور ٹیپو سلطان

سلطان ٹیپو میسور کے معروف حکمران اور بانی سلطنت حیدر علی کے فرزند تھے۔ آپ ۱۰ نومبر ۱۷۵۵ء بمطابق ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۶۲ھ بنگلور سے بیس میل شمال دیون ھلی میں پیدا ہوئے۔ اس جگہ کا نام بعد میں ٹیپو سلطان نے یوسف آباد رکھا۔

ٹیپو سلطان کی تعلیم و تربیت پانچویں سال سے شروع ہوئی۔ اسلام علوم کے علاوہ عربی اور فارسی میں خاصی مہارت حاصل کرلی۔ انگریزی اور فرانسیسی بھی سیکھ لی تھی۔ کنڑی مقامی بولی تھی۔ جس سے سلطان بخوبی واقف تھا۔ اردو رائج ہورہی تھی۔ فوج کے لئے جو ترانے تجویز ہوئے تھے ان میں فارسی ترانوں کے علاوہ اردو ترانے بھی شامل تھے گویا سلطان اس کے درباری اور سپاہی اردو بھی جانتے تھے۔ ٹیپو سلطان کے استادوں کے نام معلوم نہیں مگر یہ معلوم ہے کہ حیدر علی خان نے علم و ادب کی ہر شاخ اور دانش و ہنر کے ہر شعبے کے استادان کامل و ماہر بیٹے کی تعلیم کے لئے بلا لیئے تھے اور ٹیپو سلطان نے بہ عہد صغر سنی ہی تمام علوم میں برہء وافی حاصل کرلیا تھا۔ (۱)

شمشیر زنی، تیر افگنی، شہسواری اور تیر اکی میں کمال حاصل کرلیا۔ ولکس (Wilks) کے مطابق شہسواری میں سلطان کو خاص برتری حاصل تھی اور اسے اسپ سواری ہی پسند تھی۔ ۔۔۔ حیدر علی جب فوج کا معائنہ کرتا، ٹیپو کو ساتھ رکھتا تا کہ اسے عسکری ضبط و نظم اور فنون حرب خصوصاً مغربی فنون حرب کی تربیت ملتی جائے۔ (۲)

ٹیپو سلطان ابتداء ہی سے حیدر علی کے ساتھ مل کر تمام فنون سپہ گری سے مہارت حاصل کرتا رہا۔ اس وجہ سے ۱۷۶۶ء میں حیدر علی نے ٹیپو کو فوج کی ایک رجمنٹ کا افسر بنادیا۔ ٹیپو نے کافی مہارت سے بہت سی لڑائیوں میں کامیابی کے جوہر دکھائے۔

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۹۷۸

۲ ایضاً ص ۹۸۳

حیدر علی کی وفات ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ کی آخری تاریخ کو شام کے وقت ۷ دسمبر ۱۷۸۲ء کو ہوئی (۱) ۔ ۲۰ محرم ۱۱۹۷ھ ۔ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ء کو جمعرات کے دن (۲) مسند نشینی کی رسم ادا ہوئی ۔ اور ٹیپو سلطان سلطنت کا مالک بنا ۔

ٹیپو جس سلطنت کا ملک بنا وہ (شمال میں) دریائے کرشنا جنوب میں ریاست بڑاونکور اور ضلع تناول تک پھیلی ہوئی تھی ۔ مشرق میں مشرقی گھاٹ اسکی حد تھی اور مغرب میں اسکا دامن سمندر کو بوسہ دے رہا تھا ۔ یقیناً ایک بڑی اور شاندار سلطنت تھی پھر آبادی زرخیزی اور حسن انتظام کے علاوہ قدرتی دولت کی فراوانی اعتبار سے بھی اس کا پایہ بہت بلند تھا ۔ نظام اور مرہٹے کھا جانے کے درپے تھے ۔ انگریز اسے ہندوستان پر اقتدار کامل میں سب سے بڑی بلکہ واحد رکاوٹ سمجھتے تھے ۔ ٹیپو سلطان شہزادگی کے زمانے میں ان جوہروں کے ثبوت پے در پے پیش کرچکا تھا اور سترہ سال کی مدت حکومت میں بھی اس کے عزم حوصلہ کو کوئی قوت شکست نہ دے سکی یہاں تک کہ خون شہادت سے ان پر دائمی مہر لگ گئی ۔ (۳)

سلطان ٹیپو نے سرنگا پٹنم میں مسجد اعلیٰ تعمیر کی ۔ یہاں پہلے ایک معمولی بت خانہ تھا ۔ سلطان نے یہ جگہ خریدی اور ۱۲۰۴ھ کی نماز عیدالفطر ۱۴ جون ۱۷۹۰ء کو اسی مسجد میں ادا کی ۔ سنہ ہجری کی جگہ سنہ محمدی جاری کیا ۔ (۴)

سرنگا پٹنم کی شان اور ٹیپو سلطان کی شخصیت انگریزوں کے لئے ایک خطرہ تھی ۔ اس لئے انہوں نے سلطان کو قبضے میں لانے یا انہیں شہید کرنے کی مختلف تدابیر کیں ۔ اس لئے انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ یا سلطان کو شہید کیا جائے یا غلام بنایا جائے ۔

سلطان کے ساتھیوں میں سید غفار جیسے وفادار شامل تھے اور پورنیا ، میر صادق اور قمرالدین خان غداروں میں شامل تھے ۔ انگریزوں کے ساتھ مل کر وہ سلطان کے خلاف سازشیں کرنے لگے ۔

انگریزوں نے ۲۲ اپریل ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹنم پر گولہ باری سے پہلے دوسرا مسودہ

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۹۸۳

۲ ایضاً ص ۹۸۳

۳ ایضاً ص ۹۹۲

(۴) ایضاً ص ۹۹۲

صالحیت سلطان کے حوالے کیا۔جسکی بہت شرطیں تھیں مگر سلطان نے انکار کردیا۔ آخر پر انگریزوں نے سرنگا پٹنم پر دھاوا بول دیا۔ سلطان ایک بہادر سپاہی کی طرح آخر تک لڑتا رہا۔ فوجی افسران غداری کر چکے تھے اور انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے مگر ٹیپو سلطان آخر تک بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ بہت سے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا یہاں تک کہ روئے مبارک پر کاری زخم کھا کر شہادت پائی۔ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ موت گولی سے ہوئی جو دائیں کان سے ذرا اوپر لگی تھی۔میت کو حیدر علی کے پہلو میں اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔(۱)

ٹیپو نے اپنے دارالسلطنت کا نام ٹیپو نگر یا ٹیپو ٹین نہ رکھا بلکہ گنج عام رکھا جو عوام میں اب تک گنجام مشہور ہے یہ وہ مقام تھا جہاں ہر ملک، ہر فرقے، ہر قوم اور ہر قسم کے فنکار آکر بسنے لگے۔ جہاں عالی شان محلات، فوجی و دیوانی و عدالتی دفاتر تعمیر کئے گئے تھے۔(۲)

ٹیپو سلطان شہید کی انہی خوبیوں کو سراہتے ہوئے علامہ اقبال نے اس مرد مجاہد کا ذکر اپنے کلام اردو اور فارسی میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ علامہ نے سلطان کے کمالات، کردار، فن، سیرت، حوصلہ اور ہمت کی کافی داد دی ہے۔ "ضرب کلیم" کی ایک نظم بعنوان "سلطان ٹیپو کی وصیت میں" سلطان کے کمالات کا نہایت فنکارانہ عظمت سے بیان کیا ہے۔ یہاں سلطان کے ان اصولوں کو سراہا گیا ہے جن پر وہ عمر بھر کاربند رہے۔علامہ کو سلطان شہید کے یہ اصول کافی پسند تھے کہ انہوں نے کسی بھی فضول چیز کو حق پر ترجیح نہ دی۔

سلطان نے ساری عمر محنت اور کوشش میں گزاری اور وہ ہمیشہ جدوجہد میں رہے۔ سلطان کا اصلی مقصد ذات باری تعالیٰ سے عشق ہے۔اس لئے وہ کہتے ہیں :

صبح ازل مجھ سے کہا جبریل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول (۳)

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۹۹۳

۲ ایضاً ص ۹۹۳

۳ علامہ اقبال کلیات اقبال اردو حصہ ضرب کلیم ص ۷۲

علامہ نے سلطان کی حق پسند کا ذکر یوں کیا ہے :

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول (۱)

نظم "سلطان ٹیپو کی وصیت" کے علاوہ علامہ اقبال نے ٹیپو سلطان کا ذکر "جاوید نامہ" میں کافی احترام سے کیا ہے ۔ "آنسوئے فلاک" زیرعنوان "حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق" میں سلطان شہید کا ذکر یوں کیا گیا ہے :

آں شہیدان محبت را امام — آبروئے ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر — خاک قبرش از من و تو زندہ تر
عشق رازے بود بر صحرا نہاد — تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد ؟
از نگاہ خواجہء بدر و حنین — فقر سلطان وارث جذب و حسینؑ

رفت سلطان زین سرائے ہفت روز
نوبت او در دکن باقی ہنوز (۲)

علامہ اقبال سے جنت الفردوس میں سلطان شہید ملاقات کرتے ہیں اور اس ملاقات کے دوران سلطان علامہ سے ہندوستان کا حال پوچھتے ہیں ۔

باز گو از ہند و از ہندوستان — آنکہ با کاہش نیرزد بوستان
آنکہ اندر مسجدش ہنگامہ مرد — آنکہ اندر دیر او آتش فسرد
آنکہ دل از بہر او خوں کردہ ایم — آنکہ یادش را بجاں پروردہ ایم
از غم ما کن غم او را قیاس — آہ ! ازاں معشوق عاشق ناشناس (۳)

زندہ رود ان سوالات کا جواب دیتا ہے ۔

ہندیاں منکر ز قانون فرنگ — در نگیرد سحر و افسون فرنگ
روح را بار گراں آئین غیر — گرچہ آید ز آسمان آئین غیر

---

۱ علامہ اقبال کلیات اقبال اردو ارمغان حجاز ص ۴۷
۲ علامہ اقبال کلیات اقبال فارسی ــــ حصہ جاوید نامہ ــــ ص ۱۵۸
۳ ایضاً ص ۱۶۶

سلطان شہید پھر کہتے ہیں :

چوں بردید آدم از مشت گلے — بادلے، با آرزوئے در دلے
لذت عصیان چشیدن کاراوست — غیر خود چیزے ندیدن کاراوست
زانکہ بے عصیان خودی ناید بدست — تاخودی بایدبدست آید شکست
زائر شہر و دیارم بودہء ! — چشم خود را بر مزارم سودہء !
اے شناسائے حدودے کائنات — در دکن دیدی ز آثار حیات (۱)

دکن کے بدلتے ہوئے حالات کا ذکر علامہ یوں کرتے ہیں :

تخم اشکے ریختم اندر دکن — لالہ ہا روید ز خاک آں چمن
رود کاویرے مدام اندر سفر — دیدہ ام در جاں او شور دیگر (۲)

اقبال کے کلام سے سلطان شہید کافی متاثر ہوتے ہیں اوران کے کلام کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کرتے ہیں ۔ حضورصلی اللہ علیہ وسلم یہ کلام سن کر کہتے ہیں کہ یہ کلام کس کا ہے اس میں زندگی کے ہنگامے موجود ہیں ۔ پھرعلامہ سلطان کا پیغام رود کاویری کو سنا دیتے ہیں ۔

بودہ ام در حضرت مولائے کل — آنکہ بے او طے نمی گردد سبل
گرچہ آنجا جرأت گفتار نیست — روح را کارے بجز دیدار نیست
سوختم از گرمئی اشعار تو — بر زبانم رفت از افکار تو
گفت "این بیتے کہ برخواندی ز کیست — اندر و ہنگامہ ہائے زندگی است" !
باہمہ سوزے کہ در ساز د بجان — یک دو حرف اذمابہ کاویری رسان !

در جہاں تو زندہ رود او زندہ رود
خوشتر آید سرود اندر سرور (۳)

علامہ نے ان سوالات کا جواب نہایت ہی فنکارانہ انداز میں سلطان شہید کی (حقیقت حیات و

---

۱ علامہ اقبال کلیات اقبال فارسی ـــ حصہ جاوید نامہ ـــــ ص ۱۶۷
۲ ایضاً
۳ ایضاً

مرگ و شہادت) میں بیان کی ہے ۔ یہ پیغام علامہ کی زبانی سلطان شہید نے رود کاویری کو پہنچادیا ہے ۔اس پورے نظم میں چار بند ہیں اور پورے تسلسل کے ساتھ حقیقت حیات و مرگ و شہادت کو بیان کیا گیا ہے ۔ پہلے بند میں سلطان شہید کی زندگی کے اصولوں اور ان کے صفات کو ظاہر کیا گیا ہے ۔جن میں خودی ، خودداری ، وطن پرستی ،شوق شہادت استقلال، جاں بازی، وطن پرستی بھی شامل ہیں ۔

اے ترا سازے کہ سوز زندگی است　　ہیچ می دانی کہ ایں پیغام کیست
آنکہ صحرا ہاز تدبیرش بہشت　　آنکہ نقش خود بخون خود نوشت
آنکہ خاکش مرجع صد آرزو دست　　اضطراب موج تو از خون اوست
آنکہ گفتارش ہمہ کردار بود
مشرق اندر خواب او بیدار بود (۱)

دوسرے بند میں زندگی کی حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے ۔

زندگانی انقلاب ہر دمے است　　زانکہ او اندر سراغ عالمے است

تیسرے بند میں سلطان شہید کا پیغام شروع ہوتا ہے اس میں سلطان شہید کے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے جب سلطان کو انگریزوں نے کہا تھا کہ یا ہماری غلامی اختیار کرو یا پھر جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ ۔ تو سلطان نے کہا تھا :

" انگریزوں کا غلام بن کر سو سال تک دکن پر حکومت کرنے کے مقابلے میں آزاد رہ کر صرف ایک دن حکومت کرنا ہزار درجہ بہتر ہے ۔"(۲)

ایک اور جگہ سلطان نے کہا تھا گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے اور سلطان کا یہی پیغام علامہ نے یوں پیش کیا ہے :

زندگی را چیست رسم و دین کیش
یک دم شیری بہ از صد سال میش (۳)

---

۱ علامہ اقبال ، کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ)　　ص ۱۶۸
۲ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ، علامہ اقبال اور ٹیپو سلطان شہید اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۳ ص ۳۴-۳۳
۳ کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ)　　ص ۱۷۰

چوتھے بند میں زندگی کی حقیقت، موت اور شہادت کو بیان کیا گیا ہے۔

زندگی محکم ز تسلیم و رضاست　　موت نیرنج و طلسم و سیمیاست

اس بند میں موت کو حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

بگذر از مرگ کہ سازد بالحد　　زانکہ ایں مرگ است مرگ دام و دد
مرد مومن خواہد از یزدان پاک　　آں دگر مرگے کہ باگیرد ز خاک
آں دگر مرگ انتہائے راہ شوق　　آخرین تکبیر در جنگاہ شوق !
گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر　　مرگ پور مرتضیٰ چیز ے دگر(۱)

دنیاوی زندگی موت سے ختم ہوتی ہے مگر موت رضاالٰہی کے لئے ہی ہونی چاہیئے تاکہ انسان کو حقیقی زندگی مرنے کے بعد نصیب ہو۔ یہی سلطان کا پیغام ہے۔ علامہ لکھتے ہیں :

جنگ شاہاں جہاں غارت گری است　　جنگ مومن سنت پیغمبری است
جنگ مومن چیست ہجرت سوے دوست　　ترک عالم اختیار کوے دوست
آنکہ حرف شوق با اقوام گفت　　جنگ را رہبانی اسلام گفت
کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخون خود خرید ایں نکتہ را(۲)

"جاوید نامہ" میں علامہ اقبال نے جس فنکارانہ انداز سے سلطان ٹیپو کی ان خوبیوں اور حقائق کو پیش کیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں :

"سلطان شہید کا نام تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا لیکن "جاوید نامہ" میں علامہ اقبال نے سلطان کا تذکرہ جس انداز سے کیا ہے اسکی بدولت سلطان کی حقیقی حیثیت دنیا پر واضح ہو گی اور چونکہ اس زندہ جاوید کتاب کا ترجمہ رفتہ رفتہ یورپ کی تمام زبانوں میں ہوجائیگا اس لئے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہوجائے گا جو انگریزوں نے اپنے مقاصد مشومہ کی تکمیل کے لئے اس مرد مجاہد کے متعلق اپنی تصانیف کے ذریعہ علمی طبقوں میں پھیلا دی تھی۔ انگریزوں کو سلطان شہید سے جس قدر عداوت اور

۱　کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ)　　ص

۲　کلیات اقبال فارسی (حصہ جاوید نامہ)　　ص ۱۷۰

ٹیپو رکھا اور سلطان کے لباس کو اپنے چپراسیوں اور اردلیوں کا یونیفارم قرار دیا۔ اور دنیا کا کوئی عیب ایسا نہیں جو انگریزوں نے اس بطل جلیل کی ذات والاصفات سے منسوب نہ کیا ہو۔ علامہ نے "جاوید نامہ" میں ان دشمنان ملت کے ہر طلسم کو پاش پاش کر دیا اور صرف اس ایک شعر کے ذریعے سے انکی غلط بیانیوں کی تردید کر دی :

آنکہ گفتارش ہمہ کردار بود
مشرق اندر خواب او بیدار بود" (۱)

---

۱ پروفیسر یوسف سلیم چشتی علامہ اقبال اور ٹیپو سلطان شہید ـــ اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۳ء ص ۳۴ - ۳۳

علامہ اقبال اور نادر شاہ افغان

نادر محمد خان نے ابتدائی تعلیم دہرہ دون کے ملٹری کالج میں حاصل کی پھر انگلستان میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد نادر خان امان اللہ خان کے وزیر اور سپہ سالار بنے۔ امان اللہ خان نے ۱۹۱۹ء میں انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو نادر خان نے اپنی بہادری، ذہانت اور دلیری کا ثبوت دیا۔ امان اللہ اور نادر خان کے درمیان اختلافات کی بناء پر نادر خان کو فرانس میں سفیر مملکت مقرر کر کے بھیج دیا۔ امان اللہ خان کی معزولی اور جلاوطنی کے بعد افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہوئی اور ان حالات میں بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کرلیا۔ نادر خان نے بچہ سقہ کو شکست دیکر افغانستان پر قبضہ کرلیا اور نادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔

پیرس سے آتے ہوئے نادر خان لاہور کے راستے افغانستان روانہ ہوئے۔ لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر دیگر شخصیات کے علاوہ نادر خان کے استقبال کے لئے علامہ اقبال بھی موجود تھے۔ علامہ اقبال نے گاڑی کی روانگی سے پہلے نادر شاہ کو علاحدہ گی میں لے جا کر کہا

"تم ایک بڑی مہم سر کرنے جارہے ہو۔ میں ایک فقیر آدمی ہوں۔ صرف دعاؤں سے ہی تمہاری خدمت کر سکتا ہوں۔ اس وقت میرے پاس صرف پانچ ہزار روپیہ موجود ہیں اگر یہ حقیر سی رقم تمہارے کسی کام آئے تو مجھے خوشی ہو گی۔"(۱)

چنانچہ نادر خان جو اسوقت چشم پر آب تھے " فقیر " کی اس دین کو نیک شگون سمجھتے ہوئے اسے بڑے احترام سے قبول کرلیا۔ (۲)

علامہ اقبال کو نادر شاہ افغان سے کافی عقیدت تھی۔ وہ انہیں کافی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے نادر شاہ کا ذکر اپنے اردو اور فارسی کلام میں نہایت ہی عقیدت سے کیا

---

۱ اختر راہی اقبال اور نادر شاہ المعارف اگست، ستمبر ۱۹۷۵ء ــــ ص ۵۳

۲ صابر کلوری اقبال کی کہانی خاندانی پس منظر سے شاہی مسجد لاہور تک ــــــ
اقبال صدی نمبر ۱۹۷۱ء ــــ ص ۱۰۱ (تلخیص احمد مصطفیٰ صدیقی)

ہے اس کے علاوہ انکی تقاریر میں بھی نادر خان کا ذکر نہایت ہی عقیدت اور احترام سے ملتا ہے مسلمان قوم اور مسلم مملکت کے لئے علامہ اقبال نادر شاہ جیسی عظیم المرتبت شخصیات کو اہم سمجھتے ہیں ۔ نادر شاہ کی بہادری، شجاعت اور دلیری علامہ کو کافی پسند تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ نے نادر شاہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے ۔

نادر شاہ جب دوبارہ تخت نشین ہوا تو ملک کی وسیع تر اصلاحات کا آغاز کیا گیا ۔ ان حالات میں سب سے پہلے ملک کی تعلیمی حالات کا جائزہ لیا گیا ۔ چنانچہ نادر خان نے ہندوستان کی کچھ بلند ہستیوں کو اس سلسلے میں افغانستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی ۔ اس دعوت کا مقصد افغانستان میں تعلیمی اصلاحات کا خاکہ تیار کرنا تھا ۔ اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی، سر راس مسعود، سر محمد اقبال کا انتخاب عمل میں لایا گیا ۔ چنانچہ تینوں حضرات ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو کابل کے لئے روانہ ہوگئے ۔ نادر شاہ سے اس وفد کی ملاقات "فغر دلکش" میں ہوئی ۔ علامہ اقبال نے لاہور سے روانہ ہوتے وقت نادر شاہ کے لئے ایک قرآن مجید کا نسخہ ساتھ لیا تھا ۔ چنانچہ علامہ اقبال نے نادر شاہ کو قرآن مجید کا یہ نسخہ پیش کیا ۔ اور فرمایا :

"اہل حق کی یہی دولت و ثروت ہے اس کے باطن میں حیات مطلق کے چشمے بہتے ہیں ۔ یہ ہر ابتداء کی انتہا اور ہر آغاز کی تکمیل ہے اس کی بدولت مومن خیبر شکن بنتا ہے میرے کلام میں تاثیر اور میرے دل کا سوز و گداز سب اسی کا فیضان ہے" (۱)

قرآن مجید کا یہ نسخہ نادر شاہ نے جب وصول کیا تو ان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوگیا آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور جواب میں علامہ سے کہا :

"جب میں جلا وطن تھا اور کوہ صحرا میں غم زدہ وقت کاٹ رہا تھا جب میرے پاس زندگی کے وسائل کی کمی تھی اور مادی طاقت کا فقدان تھا ۔ جب میرا کوئی ساتھی اور غم خوار نہ تھا تو یہی کتاب میری رفیق و رہنما اور ہمدرد و غمگسار تھی ۔" (۲)

نادر شاہ اور علامہ اقبال ایک دوسرے کو کافی احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ ایک دوسرے سے

---

۱ صابر کلوری اقبال کی کہانی خاندانی پس منظر سے شاہی مسجد لاہور تک ـــــ ہما اقبال صدی نمبر ۱۹۷۱ء، ص ۱۰۱ (تلخیص از احمد مصطفیٰ صدیقی)

۲ ایضاً ص ۱۰۲

دونوں کو کافی عقیدت تھی ۔جب دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تو مغرب کی نماز کے وقت نادر شاہ نے علامہ اقبال سے درخواست کی کہ وہ اس وقت نماز پڑھائیں لیکن علامہ اقبال نے اس موقعہ پر نادر شاہ سے کہا :

" نادر شاہ میں نے اپنی عمر کسی عادل بادشاہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی تمنا میں گزاری ۔ آج جب کہ خدا نے فقیر کی اس مراد کو پورا کرنے کے اسباب مہیا کر دئے ہیں تو کیا تو مجھے اس نعمت سے محروم کرنا چاہتا ہے ۔ آج میں تیری اقتداء میں نماز پڑھوں گا ۔ امامت تجھے ہی کرنا پڑے گی ۔" (۱)

" قصر دلکش " میں مختلف معاملات پر تبصرے ہوئے ۔ انگلستان کی کئی علمی و ادبی شخصیتوں سے کئی مسائل پر بحث ہوئی ۔ ملک کی تعلیمی بہتری کے لئے بھی اصلاحات کا ایک خاکہ تیار کیا گیا ۔ اس کے علاوہ ایک دو انجمنوں نے سپاسنامے بھی پیش کئے ۔ ان مسائل پر غور و فکر کرنے کے بعد علامہ اقبال نے سلطان محمود کے مزار پر نذرانہ عقیدت پیش کیا ۔ اس کے بعد غزنی کی سیر کی ۔ حکیم سنائی کا مزار بھی دیکھا ۔ بابر کے مزار پر حاضری دینے کے بعد قندھار چلے گئے اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقہ مبارک کی زیارت بھی کی ۔ کئی اور مصروفیات سے فارغ ہو کر ایک ہفتہ بعد واپس وطن لوٹے ۔

وطن واپس لوٹنے پر اور اس سے پہلے بھی آپ نے بہت سی تقاریر میں نادر شاہ کی خدمات کا جائزہ لیا اور انہیں خراج تحسین پیش کیا ۔ ایک تقریر میں آپ نے نادر شاہ کی خدمات کا یوں ذکر کیا ۔

" مسولینی نے ایک اچھا نظریہ قائم کیا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ اٹلی کو چاہیئے کہ اپنی نجات حاصل کرنے کے لئے ایک کروڑ پتی کو پیدا کرے جو اٹلی کے گریبان کو اینگلو سیکشن اقوام کے قرضہ جات کے چنگل سے چھڑا سکے ۔ یا کسی دوسرے دانتے کو جنم دے جو نئی جنت پیش کرے یا کسی نئے کولمبس کو پیدا کرے جو ایک نئے براعظم کا پتہ لگائے اگر آپ مجھ سے افغانستان کے بارے میں دریافت کریں تو میں کہوں گا کہ افغانستان کو ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو اس ملک کو اس کی قبائلی

---

۱ اختر راہی اقبال اور نادر شاہ المعارف اگست ستمبر ۷۵ ء ــــ ص ۹۷ - ۹۶

زندگی سے نکال کر وحدت ملی کی زندگی سے آشنا کرے لیکن مجھے خوشی ہے کہ افغانستان کو ایک مرد کامل مل گیا ہے جس کا وہ ایک عرصہ سے انتظار کر رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ حضرت نادر شاہ (آپ معزول صدر ظاہر شاہ کے والد تھے) کی شخصیت کو اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ افغانستان کو ایشیاء میں ایک نئی قوم بنا کر دنیا سے متعارف کرائیں ۔ اس وطن کے جوانوں کو چاہیئے کہ اس بزرگ رہنما کو اپنی تعلیم و تربیت کا معلم سمجھیں کیونکہ ان کی تمام زندگی ایثار، اخلاص اور اپنے ملک کے ساتھ صداقت اور اسلام کے ساتھ عیش و محبت سے لبریز ہے ۔" (۱)

علامہ اقبال کو افغان قوم سے کافی ہمدردی تھی کیونکہ یہ قوم اپنی بہادری، دلیری اور شجاعت کے لئے دنیا میں اپنی مثال قائم کر چکی ہے ۔ علامہ کے خیال میں قوم کی بیداری کے لئے افغان قوم کی بیداری لازمی ہے ۔ اس لئے ایک ایسی قوم جو پشاور اور کابل کے درمیانی علاقہ میں رہتی ہے ہی مسلمانوں کو اپنی عظمت واپس دلا سکتی ہے ۔ قوم کی بیداری کا انحصار تعلیم و تربیت پر ہی ہے اس لئے ایسے قوم کی صحیح تعلیم و تربیت ہونی لازمی ہے ۔ اس قسم کی تربیت افغانستان کو صرف نادر شاہ ہی کی ذات سے ممکن ہو سکتی ہے ۔

بال جبریل کی نظم بعنوان " نادر شاہ افغان " میں علامہ نادر شاہ کا ذکر یوں کرتے ہیں :

حضور حق سے چلا لے کے لولوئے لالہ
وہ ابر جس سے رگ گل ہے مثل تار نفس
بہشت راہ میں دیکھا تو ہو گیا بیتاب
عجب مقام ہے جی چاہتا ہوں جاؤں برس
صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے تیرا
ہرات و کابل و غزنی کا سبزہ نورس

---

۱ اکبر علی خان چند نوادر بسلسلہ اقبالیات تقاریر بہ سفر افغانستان اقبال ریویو جولائی ۱۹۶۲ء ص ۹۱ - ۹۰

سر شک دیدہ نادر بہ داغ لالہ فشاں
چناں کہ آتش اوراد گر فرد نہ نشاں(۱)

نادر شاہ کی واحد ذات ہی ایسی ہے جسکی بدولت افغان قوم کی عظمت لوٹ آسکتی ہے اوراس مردہ قوم کو نئی زندگی مل سکتی ہے۔

علامہ نے "محراب گل افغان کے افکار" کے عنوان کے تحت اس کوہستانی، صحرائی وطن کے لئے اپنے قلبی تاثرات ظاہر کرکے اس ملک کی بہی خواہی کا یوں اظہار کیا ہے :

میرے کہستان تجھے چھوڑ کر جاؤں کہاں
تیرے چٹانوں میں ہے میرے اب وجد کی خاک
تیری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائیں(۲)

علامہ اقبال نے اپنے فارسی کلام میں بھی نادر شاہ افغان کا ذکر کافی احترام سے کیا ہے۔ چنانچہ مثنوی مسافر میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

نادر افغان شہ درویش خو — رحمت حق بر روان پاک او
کار ملت محکم از تدبیر او — حافظ دین مبین شمشیر او
چوں ابوذر خود گداز اندر نماز — ضربتش ہنگام کین خارا گداز
عہد صدیق از جمالش تازہ شد — عہد فاروق از جلالش تازہ شد
فقر نادر آخر اندر خون تپید — آفرین بر فقر آن مرد شہید!
اے صبا اے رہ نورد تیز گام — در طواف مرقدش نرمک خرام
شاہ در خواب است پا آہستہ نہ — غنچہ را آہستہ تر بکشا گرہ(۳)

مثنوی مسافر میں علامہ اقبال نے نادر شاہ کی سیرت کے بعض پہلوؤں کو واضح کیا ہے اس کے بعد اقوام سرحد سے خطاب کیا ہے۔ پھر نادر شاہ سے ملاقات کا حال لکھا ہے۔ شہنشاہ بابر کے

---

۱ علامہ اقبال (کلیات اقبال اردو) بال جبریل ص ۱۵۳
۲ ایضاً ضرب کلیم ص ۱۶۴
۳ کلیات اقبال (فارسی) حصہ مثنوی مسافر ص ۵ - ۲

مزار پر حاضری کا اشارہ کرنے کے علاوہ حکیم سنائی کے مزار پر حاضری کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اسکے فقر و فلسفہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ محمود غزنوی کے مزار پر حاضری کا حال بھی لکھا گیا ہے۔ مسلمانوں کی حالت کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ قندہار کے سفر کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ خرقہ مبارک کی زیارت کا تذکرہ کرنے کے علاوہ احمد شاہ ابدالی کے مزار کی زیارت کا حال اور ظاہر شاہ سے خطاب کا ذکر بھی اس مثنوی میں ملتا ہے۔ فصل سوم میں علامہ اقبال نادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر یوں کرتے ہیں :

بادشاہے خوش کلام و سادہ پوش — سخت کوش و نرم خوئے و گرم جوش
صدق و اخلاص از نگاہش آشکار — دین و دولت از وجودش استوار
خاکی و از نوریان پاکیزہ تر — از مقام فقر و شاہی با خبر
در حضور آں مسلمانے کریم — ہدیہ آوردم ز قرآن عظیم
گفتم ایں سرمایہ اہل حق است — در ضمیر او حیات مطلق است
نسخہ حرفم بخون او ووید — دانہ دانہ اشک از چشمش چکید
گفت نادر در جہاں بیچارہ بود — از غم دین و وطن آوارہ بود
غیر قرآں غم گسار من نبود — قوتش ہر باب را بر من کشود
گفتگوے حسرو والا نژاد — باز با من جذبہء سرشار داد (۱)

جاوید نامے میں علامہ اقبال نے نادر شاہ کا ذکر یوں کیا ہے :

آنچہ بر تقدیر مشرق قادر است — عزم و حزم پہلوی و نادر است
نادر آں سرمایہ درانیاں — آں نظام ملت افغانیاں
از غم دیں و وطن زار و زبوں — لشکرش از کوہسار آمد بروں
ہم سپاہی ہم سپہ گر ہم امیر — با عدو فولاد با یاراں حریر
فن فدائے آنکہ خود را دیدہ است — عصر حاضر را نکو سنجیدہ است
غربیاں را شیوہ ہائے ساحری است — تکیہ جز بر خویش کردن کافر است (۲)

---

۱ کلیات اقبال (فارسی) مثنوی مسافر ص ۱۱
۲ ایضاً (حصہ جاوید نامہ) ص ۱۶۵

نادر شا افغان اور رضا شاہ پہلوی کا ذکر کر کے ان کی عظمت بیان کی گئی ہے ۔ چنانچہ نادر شاہ افغان نے بچہ سقہ کا خاتمہ کر کے افغانستان کو ترقی کی راہ پر ڈال دیا ہے اور اس قوم کو ظلم و جبر سے نجات دلائی ۔ چونکہ نادر شاہ کو سپہ گر بادشاہ اور عصر حاضر کے تقاضوں سے باخبر شخصیت قرار دیا گیا ہے ۔ وہ مغرب کی مکاری اور عیاری سے باخبر ہیں ۔ وہ اپنی بصیرت اور حکمت عملی سے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا ہے ۔ نادر شاہ کے اوصاف بیان کر کے علامہ نے نہایت ہی فنکارانہ انداز سے انکی عظمت ظاہر کی ہے ۔